ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر

مکاتیب: علامہ عبدالعزیز خالد بنام عبدالعزیز ساحر

علامہ عبدالعزیز خالد (م ۲۰۱۰ء) ہفت زبان شاعر تھے اور نثر نگار بھی۔ انھوں نے مختلف اصنافِ ادب کی تخلیق میں حسنِ تخیل کی رعنائی اور اسلوبِ اظہار کی زیبائی کا ثبوت فراہم کیا۔ متنوع موضوعات پر ان کے نثری افکار بھی نہایت اہمیت کے حامل ہیں۔ انھوں نے خط بھی لکھے اور ان کے مکتوب الیہان کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ یقیناً ہزاروں خط ہوں گے، جو ان کے مکتوب الیہم کے پاس محفوظ ہوں گے۔ اگر یہ خط چھپ جائیں، تو علمی اور ادبی حوالے سے ایک گراں قدر ذخیرہ فراہم ہو سکتا ہے۔

راقم الحروف وقتاً فوقتاً خالد صاحب سے استفسار کرتا رہا اور وہ میرے سوالوں کو اپنے علمی افادات کی خوشبو سے معطر کرتے رہے۔ جب بھی انھیں خط لکھا گیا، انھوں نے فوراً جواب دیا۔ یوں برسوں ان کی بارگاہِ علم سے کسبِ فیض کرتا رہا۔ وہ مجھ پر بے پناہ شفقت فرماتے تھے۔ وہ کبھی اپنے متحضر علم پر بھروسا نہیں کرتے تھے۔ جواب میں مختلف کتابوں کے حوالے بھی دیتے تھے۔ ان کے خط علمی ثقاہت کے ترجمان ہیں اور فکر و فرہنگ کے نقیب بھی۔ ابلاغ اور ترسیلِ معنی کی تاب اور توانائی ان کے خطوط کی سب سے اہم خوبی ہے۔ لفظ اور اس کی فکری اور معنوی تعبیر میں انھیں ماہرانہ دسترس تھی۔ ذیل میں پیش کیے جانے والے ان کے اسی وصف کا اظہاریہ ہیں۔ گنجینۂ معنی کی طلسماتی اپیل ان مکتوبات میں جا بجا موجود ہے۔ یہ خطوط سادگی اظہار کا عمدہ نمونہ ہیں۔ یہ سادگی سپاٹ نہیں۔ بلکہ اس میں رعنائی اور علمی تازگی کے کتنے ہی قرینے لودے اُٹھے ہیں۔

خالد صاحب کے انتیس خط، حواشی اور تعلیقات کے ساتھ "تحقیق" شمارہ ۱۵ میں اشاعت آشنا ہوئے تو محترم رفیق احمد نقش صاحب نے ان کا محاکمہ کیا۔ اور بعض امور پر بہت عمدہ بحث کی۔ چنانچہ خالد صاحب کے ان خطوط کے ساتھ ان کا کرم نامہ بھی شامل کیا جا رہا ہے، (حواشی: خط نمبر ۱۴ حوالہ نمبر ۷) تاکہ استادِ گرامی کے خطوط کی تفہیم اور تعبیر میں معاون ہو۔

(۱)

ساحر صاحب!

سلام علیکم! آپ ہمیشہ اُبج کی لیتے ہیں۔

میں نہیں سمجھتا تھا کہ میرے خطوں کی آپ اشاعت کے بارے میں سوچیں گے۔ ان میں ایسی کوئی خاص بات بھی نہیں۔ بہرحال ہر کوئی اپنا اپنا کام کر رہا ہے اور اس میں خوش ہے۔ خطوں میں کچھ لفظ تصحیح طلب ہیں۔ میں نے الگ سے ان کی فہرست بنا دی ہے۔ [۱] اپنے حصے کو آپ خود دوبارہ غور سے دیکھ لیں (اور میرے کو بھی)!

ناشاد کو آپ نے کس مشقت میں ڈال دیا؟ [۲] خدا اُس کے لیے (اور ہم سب کے لیے) آسانیاں پیدا کرے۔

لاہور — خاکسار

۱۲ر دسمبر ۲۰۰۷ء — خالد

(۲)

ساحر صاحب!

چند روز ہوئے میں نے آپ کو خط لکھا تھا، جس میں چند تصحیح طلب الفاظ کی نشان دہی کی تھی۔

اب دو لفظ اور نظر آئے (شاید اور بھی ہوں)

صفحہ ۲۳ کی چھٹی سطر میں پہلا لفظ سرسوتی ہے، رسرتی نہیں۔

صفحہ ۴۵ پر دوسری سطر میں پہلا لفظ جوار ہے، جواڑ نہیں۔

کچھ اور ہندی الفاظ اور ان کے عروضی وزن لکھ رہا ہوں۔ آپ چاہیں، تو پہلوں میں شامل کر لیں (اگر گنجائش ہو اور آسانی سے ممکن ہو) یا پھر ضمیمے کے طور پر دے دیں، لیکن یہ سب آپ کی مرضی پر ہے۔ کوئی مناسب صورت نہ ہو، تو رہنے دیں، پھر کبھی کام آ جائیں گے:

کنوارچھل: کارچھل	کنوارپن: کارپن
کنواری: کاری	ڈراؤنی: ڈرانی
جوالا: جالا	دوار: دار
دوارکا: دارکا	پران ناتھ: پان ناتھ
یگیہ ور: یوگ ور	گوردوارہ: گردارہ
شرنگاررس: شنگھار رسنگھاررس	کاہنا (کرشن): کہنا
دواپریگ: داپریگ	ترتیایگ: تیتایگ
سورگ: سرگ، پورا بھی آتا ہے۔	کرپال: کپال
ترشول: تشول	ڈنڑ، ڈنڈ: ڈڈ
شردھا: شدھا	چندرماں: چاندماں
نیارے: نارے	برکھش: بکھش، برچھ
دروپد: دوپد	اندرلوک: اندلوک
سوامی: سامی	سواگت: ساگت
دروپدی: دوپدی، پورا بھی آتا ہے۔	

اور کیا حال احوال ہیں؟

لاہور — خاکسار

۲۶ / دسمبر ۲۰۰۷ء — خالد

(۳)

ساحر صاحب!

کل آپ نے 'خوض' کے لغوی معنی پوچھے تھے۔

فرہنگِ اسٹینگاس(Steingass) نے اس کے یہ معنی دیئے ہیں:

خوض......entering,wading,fording or cressing a reiver, flenging into business, discussion deef thought, fiercing with the sword,

خوض کردن......to agitate, to conspire, to intrigue

خوض نمودن......to engage in, embark, flunge into,

پلیٹس Platts میں یہ معنی ملتے ہیں:

خوض......to wade , to enter, diving into attention, deef thought, research

خوض کرنا......to consider deefly, to be lost in thought or meditation

عربی لغت الفرائدالدریہ کی رو سے:

خاض خوضاً وخیاضاً (to wade through water, to embark in(an affair)

خاض فی الحدیث to engage in conversation

خوض

اور مزاج کیسے ہیں؟ آج کل لکھنے پڑھنے کی کیا مصروفیت ہے؟ کیا ارشد محمود مستقل طور پر اسلام آباد منتقل ہو گئے؟ ان کی سکونت کا مسئلہ ان کے حسبِ منشا طے ہو گیا ہے؟ بچوں کو بھی لے گئے ہیں؟ آپ دونوں کو بہت سہولت ہو گئی ہو گی۔

نجد ا رومریز۲ کے بارے میں کبھی انھوں نے کچھ بتایا نہیں۔ کیا کسی نے بھی اس میں دلچسپی نہیں لی؟ میرا خیال تھا عربی دان حضرات اِس کے بارے میں کچھ کہیں گے، مگر معلوم نہیں کیوں مذہبی یا عربی علوم کی طرف جانے والے لوگ اکثر و بیشتر تنگ نظر اور تنگ دل ہوتے ہیں اور شاذ و نادر ہی کسی کے بارے میں کوئی کلمۂ خیر کہتے ہیں۔ شاید وہ اسے اپنی ثقاہت کے منافی سمجھتے ہیں!

لاہور	خاکسار
۲۲؍اپریل ۲۰۰۸ء	خالد

(۴)

عزیزم!

سلامُ اللہ علیک! آپ کے سوالات کے جواب اپنے محدود فہم وادراک کی حد تک:

ا۔نجد ا: اونچی زمیں، یہ خطہ سرزمینِ عرب کا، قیس ولیلیٰ کی عشقیہ داستان کی وجہ سے زیادہ مشہور ہے۔ وہابیت کی ابتدا بھی یہیں سے ہوئی۔

شیخ نجدی: شیطان کا لقب

دردِ لیلیٰ بھی وہی، قیس کا پہلو بھی وہی
نجد کے دشت و جبل میں رمِ آہو بھی وہی

وادیِ نجد میں وہ شورِ سلاسل نہ رہا
قیس دیوانۂ نظارۂ محمل نہ رہا

اقبال

سلام، علیٰ نجدٍ ومن حلّ بالنجد

باز گو از نجد و از یارانِ نجد
تا در و دیوار را آری بہ وجد

یارانِ نجد: یارانِ دیرینہ، ہمدمِ کہن

با دوستانِ مشفق و یارانِ مہرباں
عشتہ و شرابِ مروق کشیدہ گیر

سعدی

۲۔امرتا[۲]: اَمرت، آبِ بقا، آبِ حیات (ہندی اردو ڈکشنری)

سوم رس: An Anglo Indian Dictionary: Amrita Immortality

Platts: Amrit, imrat,imrit, amarta, amarata, amritta

Fallon: Imrat, Amrit, Imrit,

نام امرت بلائے بس

اَمرِتا Immirtality اَمر تا، اَمرِت :Duncan Forbes

(Vulg. Imrit) اَمرِت Shakespeare

......لکھ لِکھ مارے وین[۳]

۳۔چیراں[۴]: تراش، کاٹ، زخم، لباس، کنوار پن (ہندی اردو ڈکشنری)

Fallon: The opening of a wound. Maidanhood virginity, The slales or pillars used in making the triple survey point or boundaries

Platts: Slit wound. The pillars used to mark triangulan silidivisions of a field in servey.

بُرجیاں، منارے، ستون

بُرجی: پتھر کے وہ چھوٹے چھوٹے ستون جو حد بندی کے لیے گاؤں یا سڑک کے کنارے لگاتے ہیں۔ علمی اردو لغت: گٹی

اور مزاج کیسے ہیں؟

ارشد محمود ناشاد کا عروض پر بڑا فاضلانہ مضمون[۵] ''الاقرباء'' میں دیکھا۔ ان سے سلامِ شوق کہیں۔

لاہور — خاکسار

۱۵ر مئی ۲۰۰۸ء — خالد

ساحر صاحب!

سلامُ اللہِ علیک! آپ بھی پہیلیاں بجھواتے ہیں۔ سیاق وسباق کے بغیر، محض ایک متفرق فقرے کے کلیدی الفاظ کا مفہوم کیسے متعین کیا جا سکتا ہے؟!

خواجہ صاحب [۲] کس سے مخاطب ہیں؟ سلسلۂ کلام کیا ہے؟ کیا بابا صاحب سے مراد بابا فرید گنج شکرؒ ہیں اور مخاطب ان کے گدی نشین ہیں؟ اگر ہیں، تو اولاد سے مراد صلبی اولاد ہو سکتی ہے اور چونکہ وہ خود حضرت نظام الدین اولیاؒ کے سجادہ نشین ہیں، جو بابا صاحبؒ کے مرید اور خلیفہ ہیں، تو آل سے مراد روحانی اولاد ہو سکتی ہے۔

آپ کے پہلے خط کا جواب [۳] میں نے بہت دن ہوئے دے دیا تھا۔ معلوم نہیں، آپ کو کیوں نہیں ملا؟

نجد............ جزیرہ نمائے عرب کا مرتفع علاقہ ہے، جو لیلیٰ اور مجنوں کے عشقیہ قصے کے باعث شہرت یافتہ ہے۔ وہابیت کی تحریک بھی یہیں سے شروع ہوئی تھی۔

شیخِ نجدی شیطان کا لقب بھی ہے۔

سلامٌ علیٰ نجدٍ ومن حلّ بالنجد

باز گو از نجد و از یارانِ نجد
تا در و دیوار را آری بہ وجد

دردِ لیلیٰ بھی وہی، قیس کا پہلو بھی وہی
نجد کے دشت وجبل میں رمِ آہو بھی وہی
وادیِ نجد میں وہ شورِ سلاسل نہ رہا
قیس دیوانۂ نظارۂ محمل نہ رہا

اقبال

یارانِ نجد: یارانِ دیرینہ، ہم نفسانِ رفتہ، ہمدمانِ کہن، انیس وجلیس، مصاحبانِ قدیمی

با دوستانِ مشفق و یارانِ مہرباں
عشرت و شرابِ مروق کشیدہ گیر

سعدی

امرتا...... اَمرِتا، اَمرِتا، اَمَرْتا

میرے خیال میں لکھ لکھ: لِکھ لِکھ ہے، کیونکہ لکھ لکھ دور از کار ہے۔

چیراں......اس کے معنی: برج، برجیاں، منارے، کلس ہو سکتے ہیں، اس مصرع کی مناسبت سے۔

اور مزاج کیسے ہیں؟

لاہور　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　خاکسار

۲۸ مئی ۲۰۰۸ء　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　خالد

(۶)

ساحر صاحب!

آپ نے آل اور اولاد میں خوب فرق کیا ہے[۱]۔

پہلی دفعہ معلوم ہوا کہ آل سے مراد بیٹی کی اولاد ہوتا ہے، بیٹے کی نہیں۔

آل اولاد، آل واطفال، اہل وعیال سب ہم معنی ہیں۔

آل کا لفظ قرآن میں ۲۶ مرتبہ اور اولاد کا ۲۴ مرتبہ آیا ہے۔

آل کا مفہوم قرآن کی رو سے اولاد کے مفہوم سے کہیں وسیع تر معلوم ہوتا ہے۔

آلِ نوحؑ:

پسرِ نوح بابداں بہ نشست
خاندانِ نبوتش گم شد

حضرت نوحؑ نے اس کی غرقابی کی شکایت کی، تو ندا آئی:

انہ لیس من اھلک[۲]

آلِ لوطؑ، آلِ داؤدؑ، آلِ فرعون، آلِ ابراہیمؑ

آل میں: خاندان، نسل، قوم، قبیلہ اور امت سب شامل معلوم ہوتے ہیں۔

آلِ سلطانی: شاہی خاندان

درودِ ابراہیمی میں آلِ محمدؐ اور آلِ ابراہیمؑ کے الفاظ ہیں۔

اقبال کا مصرع ہے:

آگ ہے، اولادِ ابراہیمؑ ہے، نمرود ہے

آلِ محمد سے عموماً خاندانِ نبوت مراد لیا جاتا ہے، لیکن حدیث کی رو سے:

کون ہے آلِ محمدؐ؟ یا انسؓ! ہر امتی ہر متقی

معلوم نہیں، خواجہ صاحب کے ذہن میں کیا تھا؟ میں نے قیاساً لکھا تھا کہ شاید ان کا مطلب یہ ہو۔ واللہ اعلم

۵ جون (۲۰۰۸ء)　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　خاکسار: خالد

(۷)

ساحر صاحب!

سلام ورحمت! قرآنِ مجید کی سورت نمل (۲۷) کی آیت (۲۲) میں سبا کا لفظ آتا ہے۔ جب ہدہد کہتا ہے کہ: میں سبا سے ایک یقینی خبر لے کر آیا ہوں۔ اُن پر ایک عورت حکمرانی کرتی ہے اور وہ سورج کو سجدہ کرتے ہیں۔

اس کے بعد ۳۴ نمبر کی سورت کا نام ہی 'سورۂ سبا' ہے۔اس کی آیت (۱۵) میں سبا کا نام یوں آتا ہے:

'قومِ سبا کے لیے ان کے مسکنوں میں ایک نشانی تھی' ۔[۱]

موضح القرآن (شاہ عبدالقادر): سبا ایک قوم کا نام ہے۔اُن کا وطن عرب میں تھا، یمن کی طرف۔

ارض القرآن (ج ۱) (سید سلیمان ندوی): سبا: یہ اُممِ قحطانیہ کی سب سے مشہور شاخ ہے۔جنوبی و شمالی عرب جو تمدن کا گہوارہ تھے، اس کی حکومت کے مرکز تھے۔

سبا: ایک جدِ قبیلہ کا نام ہے۔عرب روایات کے مطابق اس جدِ قبیلہ کا نام عمر یا عبدِ شمس اور لقب سبا تھا۔

کتبات میں عموماً سبا کا مادہ تجارتی سفر کے معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔سبا چونکہ ایک تاجر قوم تھی، اس لیے اس لقب سے مشہور ہوئی۔

قاموس الکتاب (لغاتِ بائبل): سبا جنوبی عرب کا ایک خطہ تھا۔جس کی حدود موجودہ یمن کے مطابق تھیں۔اس کے باشندے قدآور تھے۔وہ سونا، مُر، لوبان اور دیگر نفیس مصالح اور قیمتی پتھروں کی تجارت کرتے تھے۔

تورات سبا کی دولت و عظمت کے بیانوں سے پُر ہے۔اس کی اِن کتابوں (اسفار) میں یہ بیان یوں ملتا ہے:

ایوب: ۱:۱۵: سبا کے لوگ اُن پر ٹوٹ پڑے اور انھیں لے گئے۔

۶:۱۹: سبا کے کارواں اُن کے انتظار میں رہے۔

زَبُور: مزمور ۷۲:۱۰ سبا اور سیبا کے بادشاہ ہدیے لائیں گے۔

۷۲:۱۵ سبا کا سونا اُس کو دیا جائے گا۔

یعیاہ: ۶:۶۰ وہ سب سبا سے آئیں گے اور سونا اور لُبان لائیں گے۔

خرقی ایل: ۲۷:۲۲ سبا اور رعماہ کے سوداگر تیرے ساتھ سوداگری کرتے تھے۔وہ ہر قسم کے نفیس مصالح اور ہر طرح کے قیمتی پتھر اور سونا تیرے بازاروں میں لاکر فروخت کرتے تھے۔

اسلاطین: ۱۰:۱۔۱۳ اور جب سبا کی ملکہ نے خداوند کے نام کی بابت سلیمانؑ کی شہرت سنی، تو وہ آئی، تاکہ مشکل سوالوں سے اُسے آزمائے اور وہ بہت بڑی جلو کے ساتھ یروشلم میں آئی اور اُس کے ساتھ اونٹ تھے، جن پر مصالح اور بہت سا سونا اور بیش بہا جواہر لدے تھے۔

یرمیاہ: ۶:۲۰ اور تواریخ: ۹:۱۔۱۰ میں بھی اس کا ذکر ہے۔

ایران میں اجنبی میں ن۔م راشد کی نظم ہے: سبا ویراں

سلیماں سر بہ زانو اور سبا ویراں

سبا ویراں، سبا آسیب کا مسکن

سبا آلام کا انبارِ بے پایاں

....

سبا باقی نہ مہ روئے سبا باقی

لاہور — خاکسار

۳۰/جون ۲۰۰۸ء — خالد

(۸)

ساحر صاحب!

سلام ورحمت!ا۔

التمش ۱...... ترکی زبان میں اس کے معنی محافظِ سلطنت کے ہیں۔ التمش اُسے بھی کہتے ہیں، جو چاند گرہن کی رات پیدا ہوا ہو۔

۲۔ مآخذ ۲...... ماخذ کی جمع ہے۔

۳۔ بیژن ایرانی پہلوان تھا۔ افراسیاب کی لڑکی ۳ منیژہ اس پر عاشق ہوگئی اور چوری سے گھر لے جا کر رکھا۔ جب افراسیاب کو خبر ہوئی، تو اس نے بیژن کو کنوئیں میں قید کر دیا اور منیژہ کو گھر سے نکال دیا۔ منیژہ بیژن کی تیمارداری اور خبر گیری کرتی تھی۔ رستم بیژن کے چھڑانے کو سوداگر بن کر گیا اور توران پہنچ کر تجارت کے سامان پھیلائے۔ منیژہ کو خبر ہوئی۔ دوڑی ہوئی آئی اور رستم سے بیژن کے حالات بیان کیے۔ رستم نے اس خیال سے کہ راز فاش نہ ہو جائے۔ منیژہ کو جھڑک دیا کہ میں بیژن ویژن کو کچھ نہیں جانتا۔ منیژہ دل شکستہ ہو کر کہتی ہے:

زدی بانگ برمن چو جنگ آوراں
نہ ترسی تو از داورِ داوراں
منیژہ منم دختِ افراسیاب
برہنہ ندیدہ تنم آفتاب
برای یکی بیژن شور بخت
فتادم زتاج و فتادم زبخت

......شعرالعجم (حصہ اوّل): شبلی نعمانی

شبلی نعمانی نے ''منیژہ'' لکھا ہے، جبکہ شاہنامۂ فردوسی میں ''منیژہ'' ہے۔

۴۔ علیحدہ = علاحِدہ۔ علیٰ حدِہ۔ اپنی حد پر۔ علیٰ حدَّہ۔ علیٰ حَدِہ۔ علیٰ حدِۃٍ

علیحدہ = اسی علحدہ کا امالہ ہے۔ فرہنگیں عموماً جس کا املا علیحدہ کرتی ہیں۔ ۵

حالانکہ 'الف' کے بعد 'ی' کی گنجائش نہیں۔

زیادہ تر علیحدہ ہی مُستعمل ہے۔ ویسے تینوں صحیح ہیں، جیسے کوئی پسند کرے: علاحدہ۔ علحدہ۔ علیحدہ

آپ نے ناشاد کے بارے میں کبھی کچھ نہیں لکھا۔ اس نے اتنی محنت اور محبت سے کلیدِ ارومریز'' شائع کی۔ آپ کو بھی دی ہوگی، لیکن آپ نے اس بارے میں بھی مجھے کبھی ایک لفظ تک نہیں لکھا۔

لاہور — خاکسار

۳؍جولائی [۲۰۰۸ء] خالد

(۹)

ساحر صاحب!

سلام و تحیت! خط ۱۲ نمبر ۱ میں آپ نے صحیح گرفت کی ہے۔ حضرت زکریاؑ کی زوجہ کا نام الیشبع یا الیصابات ہے۔ (عبر: خدا حلف اٹھاتا ہے)

انجیل میں حضرت مریمؑ کی والدہ کا نام مذکور نہیں۔

امام ابنِ کثیرؒ نے اپنی تفسیر اور تاریخ البدایۃ والنھایۃ میں ان کا نام حنہ بنتِ فاقو دلکھا ہے۔ (عبر: فضل)

فتح الباری میں بشیر بن اسحاق کی المبتدا کے حوالے سے دونوں کو سگی بہنیں بتایا گیا ہے۔ (قصص القرآن ...... مؤلفہ: مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی)

خط ۱۱ میں بھی میں حضرت یحیٰؑ کو حضرت عیسیٰؑ کا خالہ زاد لکھ گیا۔ اصل میں دونوں جگہ ابنِ مریمؑ کے بجائے مریمؑ کا نام ہونا چاہیے تھا۔

حضرت زکریاؑ تو ابن مریمؑ کے رشتے میں نانا اور حضرت یحیٰؑ (یوحنا بپتسمی) ماموں ہوتے ہیں۔ وہ بھانجے سے چھے ماہ بڑے تھے۔ سلومی نے اپنے رقص کے معاوضے میں پیرودا نیتپاس سے اُن کا سر مانگا تھا اور آخر لے کر رہی۔

انجیل میں الیشبع اور مریمؑ کو صرف رشتہ دار بتایا گیا ہے۔ رشتے کی صراحت نہیں۔

خطوں میں اور بھی تسامحات ہوں گے۔ کیا کیا جائے:

انسان ہے نسیان و خطا کا پتلا!

خط ۱۱ میں غالب کے پہلے شعر کے پہلے مصرع میں 'چوں' چھپائی سے رہ گیا ہے۔ مصرع یوں ہے:

دیدہ در آنکہ چوں نہد دل بہ شمارِ دلبری

ان دونوں شعروں کے ساتھ غالباً میں نے اقبال کا یہ شعر بھی لکھا تھا:

دانہ را کہ در آغوشِ زمین است ہنوز
شاخ در شاخ و برومند و جواں می بینم!

اُمید ہے آپ کی اہلیہ پوری طرح شفایاب ہو چکی ہوں گی!

ناشاد صاحب کیسے ہیں؟ اور حال احوال کیا ہیں؟

لاہور خاکسار
۲۱؍نومبر [۲۰۰۸ء] خالد

(۱۰)

ساحر صاحب!

ساقی نے یہ غزل اور شاید اس سے ملتی جلتی اور غزلیں فنون، لاہور میں بھیجی تھیں ا۔ قاسمی صاحب نے انھیں وزن سے خارج قرار دے کر شائع نہیں کیا، یا شائع کر کے ان کے بے وزن ہونے پر کوئی ادارتی نوٹ لکھا۔ بہر حال ساقی نے ان کی

صحت پر اصرار کیا۔ اس سے ایک عروضی بحث کا آغاز ہو گیا، جس میں مشفق خواجہ بھی شریک ہو گئے یا ساقی نے شریک کر لیا۔ یہ ساری بحث فون تک محدود تھی یا کسی اور جگہ بھی شائع ہوئی۔ کچھ کہہ نہیں سکتا۔[۲]

اکادمی بازیافت، کراچی (دفتر: ۱۷۔ کتاب مارکیٹ، گلی نمبر ۳، اردو بازار، کراچی۔ فون ۲۷۵۱۴۲۸) نے ساقی کی کتاب ''پاپ بیتی'' پچھلے دنوں شائع کی ہے۔ اس سے پہلے وہ اپنے سہ ماہی رسالے مکالمہ میں اس کی قسطیں شائع کرتے رہے ہیں، ان سے ساقی کا لندن کا پتا معلوم کر کے اسے براہِ راست خط لکھ کر اس بحث کے بارے میں دریافت کر لیں۔

اس دورِ اباحیت میں مذہبی شعائر و شیون کی حرمت و نزاکت کی کون پروا کرتا ہے؟ ساقی تو ویسے ہی اخلاقیاتِ مذہب کا قائل نہیں[۳]۔

قرآن میں ہے: الرحمٰن ...... خلق الانسان[۴]، یعنی رحمٰن نے انسان کو پیدا کیا۔

اِسی نسبت سے شاید اس نے خداداد کی ترکیب وضع کر لی۔ دنیا زاد، شہر زاد، چمن زاد کے قیاس پر۔ خدا کا آفریدہ، خدا کا تخلیق کردہ، خداساز، خداداد کی ترکیبیں پہلے سے موجود ہیں۔

آپ خطوں کی رسید تو بھیج دیا کریں۔

لاہور — خاکسار

۸؍ جولائی ۲۰۰۸ء — خالد

(۱۱)

ساحر صاحب!

کل جب آپ نے فون کیا، تو میں جاگو میٹی لیٹا ہوا تھا۔ یہ میرے قیلولے کا وقت تھا۔ آپ نے 'خاک نشین' کہا، تو میں سمجھا نہیں۔ بعد میں آپ نے دو تین بار دہرایا، تو مجھے آپ کی بات سمجھ میں آئی۔

خاک نشینوں کی ترکیب جگر نے بڑی خوب صورتی سے استعمال کی ہے:

کیا حُسن نے سمجھا ہے، کیا عشق نے جانا ہے
ہم خاک نشینوں کی ٹھوکر میں زمانہ ہے

آپ نے پوچھا اسے انگریزی میں کیا کہیں گے۔ مجھے اس وقت صرف Humble کا لفظ سوجھا اور humility کے ساتھ کوئی ترکیب۔ پھر میں نے آپ سے کہا کہ: میں اُٹھ کر دیکھتا ہوں، شاید کوئی اور مناسب لفظ بھی مل جائے۔

تھوڑی دیر کے بعد میں نے آپ کو فون کیا، مگر آپ کا موبائل خاموش تھا۔ پھر میں نے ناشاد صاحب کو فون کیا اور بتایا کہ: اسٹینگاس نے بھی 'خاک نشین' کی انگریزی Humble ہی لکھی ہے۔

Humble کے لیے 'خاک نشین' کے علاوہ: متواضع، فروتن، منکسر مزاج، مسکین، حلیم، خاکسار، عاجز کے الفاظ بھی آ سکتے ہیں۔

Humble کے انگریزی میں یہ مترادفات ہو سکتے ہیں:

Modest, meek, submissive, unpectending, unassuming, unpresuming, unpretentious unboastful, nonastentiations, full of symbol, lumility, incorcaited, etc

اس کے اضداد یہ ہوں گے:

arrogant, haughty, conceited, supercilious, frievd, bostful, pretations, aurbearing, etc.

اور مزاج کیسے ہیں؟

لاہور — خاکسار

۲۷ر جنوری (۲۰۰۹ء) — خالد

(۱۲)

ساحر صاحب!

شعر کیا ہے!: اک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا!

لاہور — خاکسار

۳ر جولائی (۲۰۰۹ء) — خالد

(۱۳)

ساحر صاحب!

کل میں آپ سے یہ کہنا بھول گیا کہ مولانا شبلی کی کتاب ''الفاروق'' دیکھیے اور اس کا تتبع کیجیے!، یعنی:

ہر زہ مشتاب و پی جادہ شناساں بردار

جگہ کی کمی کی وجہ سے میری کتابوں کی بُری حالت ہے۔ جس کمرے میں ہیں، وہ بھی نسبتاً تاریک ہے۔ اوپر سے بجلی کی بندش۔ معلوم نہیں، میرا نسخہ کہاں دبا پڑا ہوگا؛ تاریخِ اسلام کی کتابیں بھی نجانے کس گرد آلود گوشے میں بڑی ہوں گی؟

ٹانگوں میں تکلیف کے باعث مجھے چلنے پھرنے میں دشواری ہوتی ہے اور میں تادیر مشقت کا متحمل بھی نہیں ہوسکتا۔

لاہور — خاکسار

۱۷ر جولائی [۲۰۰۹ء] — خالد

(۱۴)

ساحر صاحب!

سوال نامہ ملا۔ جواب حسبِ توفیق حاضر ہے۔

۱۔الف۔ چشمِ بیمار!: نشیلی آنکھ، خمار آلودہ یا متوالی آنکھ (معشوق کی آنکھوں کی تعریف میں بولا کرتے ہیں) (مخزن المحاورات)

۲۔ نرگسِ بیمار: مریض کی نیم وا آنکھ سے مشابہ۔ نرگس کو شعرا محبوب کی مخمور، نیم وا اور شرمیلی آنکھ سے تشبیہ دیتے ہیں۔ یہی کیفیت مریض کی آنکھوں کی ہوتی ہے، اس لیے نرگس کے پھول کو نرگسِ بیمار کہنے لگے۔ (فرہنگِ اقبال)

۳۔ نرگسِ بیمار رجادو رنجور: مست آنکھ۔ معشوق کی آنکھ سے استعارہ کرتے ہیں۔ (علمی اردو لغت)

۴۔ نرگسِ :شعرا چشمِ معشوق سے تشبیہ دیتے ہیں: بیمار، رنجور، طناز، فتّان، جادو، نیم وا، وغیرہ بطورِ صفت استعمال

کرتے ہیں اور مراد معشوق کی مست آنکھ سے لیتے ہیں۔(نور اللغات)

۵۔نرگس: مجازاً چشمِ معشوق

نرگسِ بیمار: مجازاً چشمِ مست، چشمِ معشوق، چشمِ نیم باز، نرگسِ مخمور، چشمِ خمار آلود، نرگسِ نیم خواب،، وہ آنکھ جو معشوقانہ انداز سے جھکی ہوئی ہو۔(فرہنگِ آصفیہ)

۶۔نرگس: مجازاً آنکھ، نرگسِ مست۔کنایہ معشوق رمحبوب کی آنکھ سے (لغاتِ کشوری)

۷۔نرگس: ایک پھول جو آنکھ سے مشابہت رکھتا ہے، اس لیے معشوق کی مست آنکھ کو اس سے تشبیہ دیتے ہیں۔ نرگسِ بیمار، مست آنکھ (فرہنگِ کارواں)

۸۔ایک پھول جو آنکھ سے بہت مشابہ ہوتا ہے۔مجازاً چشمِ محبوب، نرگسِ بیمار، مست آنکھ، محبوب کی آنکھ (قائد اللغات)

۹۔صفاتِ چشمِ معشوق: نرگس، نرگسِ بیمار، نرگسِ جادو، نرگسِ شہلا، نرگس کی کٹوری، نرگسِ مخمور، نرگسِ میگوں (امیر اللغات)

ب: شُبہ۔شُبہہ[۲]: التباس، شک، احتمال، گمان، اشتباہ، ج: شبہات

شِبہ: مثل، مانند، شبیہ، تصویر، نقشہ، ڈھانچ، ج: اشباہ

۲۔صَدَقہ۔صَدَقہ[۳]: خیرات، احسان، ج: صدقات

صَدقہ۔صُدقہ۔صَدُقہ۔صُدُقہ۔صِداق: حق مہر، مہر

۳۔وِلایت[۴]: حکومت، امارت، مملکت، غیر ملک، امیری، قبضہ، یاری، دوستی، خدا سے تقرب کا مقام، روحانی میراث

وَلایت: قرابت، رشتہ داری، مددگاری

دونوں کا تلفظ وَلایت ہے یعنی، واؤ کے زیر زبر دونوں کے ساتھ اور معنی میں بھی کوئی خاص فرق نہیں۔[۵]

آپ نے اپنے دوست ڈاکٹر جاوید اقبال[۶] (مدیرِ تحقیق) سے یا تو پرچے کے لیے کہا نہیں اور کہا، تو انھوں نے اسے کوئی اہمیت نہیں دی، خیر۔

میں صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ کسی نے میرے خطوں پر اظہارِ خیال تو نہیں کیا۔کیا تو کیا؟[۷]

اور حالات کیسے ہیں؟ ناشاد کیا کر رہے ہیں؟

والسلام

خاکسار

خالد

لاہور

۴راکتوبر۲۰۰۹ء

(۱۵)

ساحر صاحب!

سلام و رحمت! مرسلہ کتابیں ملیں۔

آپ نے بڑی محبت، محنت اور مہارت سے دونوں شخصیتوں کی تصویر کشی کی ہے اور ان کے کمالِ فن کے خط و خال کو

جامعیت کے ساتھ اُجاگر کیا ہے۔[۱]

محترمہ شازیہ صدیق نے تو کمال کیا ہے۔ وہ عربی کیسی بے تکان اور برجستہ لکھتی ہیں؟[۲] میں تہہِ دل سے ان کا ممنون ہوں کہ انھوں نے اس ہیچ مندان کو اتنی اہمیت دی۔ ملاقات ہو، تو میرا شکریہ ان کو پہنچا دیں۔

ان کے نگران ڈاکٹر عاصم صاحب[۳] سے بھی نیازمندانہ سلام کہیں!

لاہور　　　　　　　　　　　　خاکسار

۱۶/نومبر [۲۰۰۹ء]　　　　　　　　　خالد

حواشی:

خط نمبر۱:

۱۔ میں نے خالد صاحب کے انتیس (۲۹) خطوط مرتب کیے اور اُن پر حاشیہ آرائی کر کے ''تحقیق'' مجلّہ شعبۂ اردو سندھ یونی ورسٹی، جام شورو میں اشاعت کے لیے بھجوائے اور اس کی ایک کاپی خالد صاحب کو بھی ارسال کر دی۔ انھوں نے بعض اغلاط کی نشان دہی فرمائی۔ یہ خطوط تحقیق: شمارہ ۱۵: ۲۰۰۷ء میں شائع ہوئے۔ مدیر تحقیق نے خود یہ شمارہ خالد صاحب کو لاہور میں اُن کے دولت کدے پر پیش کیا۔ (لاہور)

۲۔ ارشد محمود ناشاد کا شعبۂ اردو، علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی، میں نیا نیا تقرر ہوا تھا اور اُن دنوں وہ روزانہ اٹک سے آ جا رہے تھے۔ خالد صاحب اُن کی اس مشقت اور پریشانی پر خاصے متفکر تھے۔

خط نمبر۳:

۱۔ میں نے ٹیلی فون پر 'خوض' کے لغوی معنی پوچھے، تو انھوں نے نہ صرف اس کے معانی بتائے، بلکہ اگلے روز تفصیلی گرامی نامے سے بھی سرفراز فرمایا۔

۲۔ ''کجد اردمریز'' عبدالعزیز خالد کی کتاب ہے، جو مئی ۲۰۰۷ء میں سرمد اکادمی، اٹک کے زیرِ اہتمام اشاعت آشنا ہوئی۔ اس کتاب کے حوالے سے علامہ احسان الٰہی ظہیر نے لکھا ہے کہ:

''خالد صاحب کے بارے میں پُرانی ادبی شناسائی اور آشنائی کے حوالہ سے اتنی واقفیت تو تھی کہ وہ ''بے پناہ'' اور ''بے محابا'' ''کجد اردمریز'' کو دیکھ کر علم ہوا کہ زبانِ عربی پر اُنھیں دا قفیت ہے۔ انھوں نے دو عظیم مشرقی شعرا رُومی اور اقبال کے کلام پر قرآن و حدیث اور عربی لغات کے تناظر اور حوالہ سے جو محاکمہ کیا ہے، وہ کلام رب و نبیؑ اور کلامِ عرب سے گہرے تعلق کا غماز ہے اور مجھے یہ دیکھ کر خوش گوار حیرت ہوئی کہ ہمارے ہاں ابھی تک ایسے ادیب اور شاعر موجود ہیں جو صرف لب و لہجہ اور پُر گوئی کے لحاظ سے ہی عرب شعرا کے مثل نہیں بلکہ عربی زبان اور اس کے قواعد پر گہرے عبور کی بنا پر ان کے ہم پایہ اور ہم پلہ کہلانے کا حق رکھتے ہیں اس بنا پر اور خوشی ہوئی کہ اس پورے مقالہ یا مضمون میں زبان و بیان انتہائی مؤدب اور انداز اور اسلوب انتہائی باوقار ہے۔'' [کجد اردمریز کے سرورق پر رائے]

خط نمبر ۴:

۱۔ ہمارے ہاں نجد کا لفظ منفی معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ میں نے پوچھا تھا کہ: اس تناظر میں یارانِ نجد کا کیا مطلب ہے؟

۲۔ میرا سوال تھا کہ معروف شاعرہ امرتا پریتم کے نام کا ابتدائی حصے (امرتا) کا تلفظ 'اَمَر تا' ہے، یا 'اَمِر تا'؟

۳۔ ماہ نامہ ''روزن انٹرنیشنل''، گجرات نے اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۶ء کا شمارہ ''امرتا پریتم نمبر'' کی صورت میں شائع کیا۔ اس میں پنجابی زبان وادب کے تمام اہم ادبا اور شعرا نے پنجابی، اردو اور انگریزی میں امرتا پریتم کو خراج تحسین پیش کیا۔ بعض انگریزی مضامین میں امرتا کی شاعری کے منتخب حصوں کے انگریزی تراجم بھی کیے گئے۔ امرتا کی شہرۂ آفاق نظم: 'آکھاں وارث شاہ نوں' کے ایک مصرع:

اک روئی سی دھی پنجاب دی توں لکھ لکھ مارے وین

کے ایک لفظ 'لکھ لکھ' کو دو طرح سے ترجمہ کیا گیا:

"Once, a daughter of Punjab cried and you wrote a wailing saga."
[Obituary: Amrita Pritam- a symbol of courage in the face of suffering by Ishtiaq Ahmad. PP37]

"A daughter of Punjab
Had wept once and
You sang a thousand dirges".
[Prayer for the daughter of Waris by Nirupama Dutt. PP17]

ایک مترجم نے 'لکھ لکھ' کو لکھنا (to write) کے معنوں میں لیا، جبکہ دوسرے کے ہاں لکھ لکھ کا لفظ (hundred thousands) کے معنوں میں آیا۔ میں اس مصرع کو اوّل الذکر صورت میں پڑھتا آیا تھا۔ اس کی نئی قرأت (Readings) مجھے عجیب سے لگی، تو میں نے استادِ گرامی سے رہنمائی کے لیے درخواست کی کہ ان کے نزدیک اس لفظ کی درست قرأت کیا ہے؟

دل دریا سمندروں ڈونگھے (کلامِ سلطان باہو مع اردو ترجمہ) کے مترجمین نے سلطان باہو کے اس مصرع:

بغداد شہر دی کیا نشانی، اُچیاں لمیاں چیراں ہو

کا ترجمہ یوں کیا ہے:

''مجھ سے بغداد شہر کے متعلق کیا پوچھتے ہو؟ اُسے دیکھنے کی آرزو میں دل زخموں سے چُور ہو چکا ہے؛ اس شہر کو دیکھنے کی حسرت میں مرا ظاہر باطن پرزے پرزے ہو چکا ہے''۔

مترجمین نے مشکل الفاظ کے معانی میں لفظ 'چیراں' کا معنی زخم لکھا ہے۔ [دل دریا سمندروں ڈونگھے: راولپنڈی، رومیل ہاؤس آف پبلی کیشنز: جون ۲۰۰۶ء: ص ۵۰۔۵۱۔]

۴۔ مجھے 'چیراں' کی اس معنویت پر اطمینان نہیں تھا۔ اس لیے خالد صاحب سے رہنمائی کی درخواست کی گئی۔

۵۔ ناشاد صاحب کے مقالے بعنوان: علمِ عروض۔ تفہیم و تجزیہ کی طرف اشارہ ہے، جو الاقربا شمارہ جنوری تا مارچ ۲۰۰۸ء میں شائع ہوا۔

حواشی خط نمبر ۵:

۱؎ خواجہ حسن نظامی رقم طراز ہیں: ''آپ نے میرے سفارشی مکتوب پر جتنی زیادہ توجہ کی، اس کا حال مجھ سے کہا گیا، تو میرے دل پر اس کا بہت اثر ہوا۔ میں نے آج آپ کو ماموں لکھا ہے، اس لیے کہ آپ حضرت بابا صاحب کی اولاد ہیں اور میں آل ہوں''۔ [خط بنام مولوی وحید احمد فریدی بدایونی: نقوش (مکاتیب نمبر جلد اوّل) شمارہ ۶۵۔۶۶: نومبر ۱۹۵۷ء: ص ۵۲۴]

۲؎ خواجہ حسن نظامی (م ۱۹۵۶ء) صاحبِ طرز انشا پرداز اور مصورِ فطرت۔ پیر مہر علی شاہ گولڑہ شریف (م ۱۹۳۷ء) کے مرید و خلیفہ اور درگاہِ نظام الدین اولیاؒ کے سجادہ نشین۔

۳؎ ۱۵ رمئی ۲۰۰۸ء کا گرامی نامہ مجھے دیر سے ملا، تو میں نے گزارش کی کہ میرے کچھ سوالات کا جواب، آپ کے ذمے واجب الادا ہے۔ انھوں نے ۲۸۔ مئی ۲۰۰۸ء کے خط میں دوبارہ اُن سوالات کے جوابات مرحمت فرمائے۔ اسی دوران میں پہلا گرامی نامہ بھی مل گیا۔

خط نمبر ۶:

۱؎ میں نے خالد صاحب کو لکھا تھا کہ: ہم اپنی تحریر اور تقریر میں 'آل اولاد' ایک ساتھ بھی لکھتے اور بولتے ہیں اور یکساں معنوں میں علیحدہ علیحدہ بھی۔...... خواجہ صاحب نے 'اولاد' سے الگ معنوں میں 'آل' کا لفظ برتا ہے۔ اگر اس خط کے تناظر میں تاریخی پس منظر کو پیشِ نظر رکھا جائے، تو اولاد کے معنی صلبی اولاد اور آل سے مراد بیٹی کی اولاد لیے جا سکتے ہیں، کیوں کہ مکتوب الیہ وحید احمد، بابا فرید الدین، غریب نواز کی اولاد سے تھے اور خواجہ حسن نظامی کا خاندانی تعلق بابا صاحب کی بیٹی کی اولاد سے ہے۔

سوال: ان لفظوں کی معنویت میں اگر کوئی نکتہ ہے، تو اس کی وضاحت کر دیں۔

۲؎ سورہ ہود: ۴۶

خط نمبر ۷:

۱؎ سوال: سبا کسی قوم کا نام ہے یا علاقے کا، یا پھر اس سے دونوں مراد لیے جاتے ہیں؟

خط نمبر ۸:

۱؎ سوال: ہندوستان کے بادشاہ شمس الدین کا نام کا التتمش، التمش، ایلتمش، ایلتتمش تاریخ کی کتابوں میں چار طرح لکھا ہوا ملتا ہے۔ ان میں سے کون سا درست ہے؟ یہ کس زبان کا لفظ ہے اور اس کا مطلب کیا ہے؟

۲؎ سوال: ماخذ اور مآخذ میں کیا فرق ہے؟

۳؎ سوال: کیا ذحتِ افراسیاب تلمیح ہے؟ اس کا پس منظر کیا ہے؟

۴؎ سوال: علیحدہ، علحدہ اور علاحدہ کے تین املا مروج ہیں۔ ان میں سے کون سا درست ہے؟

خط نمبر۱۰:

۱ غزل ہے شرط سے میں نے ساقی فاروقی کی ایک غزل انھیں بھجوائی اوران سے استفسار کیا کہ کیا یہ وزن میں ہے؟

۲ ساقی صاحب نے اپنی ایک غزل[قافیہ: تنگ وغیرہ۔ ردیف: آ گئے] احمد ندیم قاسمی کو بھجوائی۔ قاسمی صاحب نے اسے خارج از آہنگ کہا۔ اس پر ساقی صاحب کا اصرار تھا کہ یہ وزن میں ہے۔ یہ بحث ان کے مابین ذاتی خطوط میں چلتی رہی۔ مشفق خواجہ بھی اس بحث میں شریک ہوئے۔ بعدازاں اس سلسلے کی تمام خط کتابت معاصر، لاہور میں شائع ہوئی۔

۳ ساقی صاحب نے اپنی ایک غزل میں خدازاد کی ترکیب استعمال کی ہے۔ میں نے پوچھا تھا کہ کیا یہ درست ہے؟

۴ الرحمٰن ۵۵:۱۔۳

خط نمبر۱۱:

۱ میں ایک متصوفانہ مضمون کا ترجمہ کررہا تھا۔ ’خاک نشین‘ کے لیے کسی مناسب لفظ کی تلاش تھی۔ لغات میں "Humble" اور اس کے جو مترادفات نظر آئے، میں ان سے مطمئن نہ تھا۔ خاک نشین کی فکری اور تہذیبی معنویت کو Humble اور Humibity جیسے الفاظ اپنے اندر سمونے سے قاصر ہیں۔ میں نے خالد صاحب کو فون کیا کہ کوئی ایسا لفظ یا تراکیب بتائیں، جو خاک نشیں کی تہذیبی معنویت کو اُجاگر کر سکے۔ انھوں نے اس گراں قدر خط سے نوازا۔

خط نمبر۱۲:

۱ میں نے اُنھیں اپنے عریضے میں لکھا تھا:

”بیدل کا ایک شعر ہے:

بیدل چنانکہ سایہ بہ خورشید می رسد
میں نیز رفتہ رفتہ بہ دلدار می رسم

میرے خیال میں بیدل کا کہنا یہ ہے کہ: جس طرح سایہ خورشید تک پہنچ جاتا ہے، اُسی طرح میں بھی اپنے محبوب تک رسائی حاصل کر لیتا ہوں۔ اگر میں نے شعر کا مفہوم درست متعین کیا ہے، تو پھر اِس شعر کے تناظر میں معنوی اشکال وارد ہو رہا ہے۔ ہمارا مشاہدہ ہے کہ سایہ...... خورشید کے مخالف سمت میں سفر کرتا ہے۔ مخالف سمت میں دونوں کا سفر کیونکر یکجائی کا پیش خیمہ بن سکتا ہے؟ اِس تضاد کی تفہیم کے لیے روشنی کی ضرورت ہے“۔

خط نمبر۱۳:

۱ میں نے پوچھا تھا کہ: عدلِ فاروقی اور عہدِ فاروقی وغیرہ جیسی تراکیب میں لفظ فاروقی پر رضی اللہ عنہ کی علامت ”رض“ لکھی جانی چاہیے یا نہیں۔

خط نمبر۱۴:

۱ میرا سوال تھا کہ: محبوب کی آنکھ کو چشمِ بیمار کیوں کہا جاتا ہے؟

۲ میں نے پوچھا تھا کہ: شُبہ اور شِبہ میں کیا فرق ہے؟

۳۔ سوال: معنوی اعتبار سے صَدَقہ اور صُدقہ میں کیا فرق ہے؟

۴۔ وِلایت اور وَلایت میں تفریق کی معنوی صورتیں کیا ہوسکتی ہیں؟

۵۔ فوائد الفواد کی ایک مجلس میں حضور نظام الدین اولیاؒ نے فرمایا:

''سخن در وِلایت وَلایت افتاد۔ می فرمودند کہ شیخ را ہم وَلایت باشد وہم وِلایت۔ وَلایت آنست چون تائب شود وطاعت کند ہر آئینہ از طاعت ہا ذوق گیرد ممکن آنست کہ مریدان را بخدا رساند و آداب طریقت تعلیم فرماید وآنچہ میانِ او و میانِ خلق است، آن را وَلایت گویند۔ امّا آنچہ میانِ او و میانِ حق است آن وَلایت است وآن خاص محبت است وچون شیخ از دُنیا نقل کند، وِلایت با خود ببرد۔ امّا وَلایت بکسی تسلیم کند، بدہد آن کس را کہ او خواہد واگر او ندہد، روا باشد کہ حق عزّ وجل آن وَلایتِ او بدیگری دہد۔ امّا وِلایت کو ہمراہ باشد آن را با خود ببرد۔

درین باب حکایتی فرمود کہ بزرگی مریدی را بخدمتِ بزرگی فرستاد واستطلاع کرد کہ شب را بر بساطِ عالم چہ گذشت؟ او جواب فرستاد کہ شب را شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس اللہ سرہ العزیز در مسجدِ مہینہ نقل کرد۔ باز آن بزرگ کس فرستاد و پُرسید کہ ولایتِ او بہ کہ دادند؟ او جواب گفت کہ آن را خبر ندارم۔ آنچہ معلوم شدہ بود اعلام دادم۔ بعد از ان ایشان را معلوم شد کہ ولایتِ او بہ شمس العارفین دادند علیہ الرحمۃ والغفران۔ ہم در شب بردرِ شمس العارفین آمدند۔ شمس العارفین ایشان را کہ پیش از انکہ سخنی گویند، گفت خدای تعالیٰ راچندان شمس العارفین اند، تا بہ کدام شمس العارفین دادہ اند؟''

[ص ۲۲۹۔۲۳۰]

۶۔ ڈاکٹر سیّد جاوید اقبال سندھ یونی ورسٹی، جام شورو، حیدر آباد میں شعبۂ اردو کے سربراہ ہیں۔ ڈاکٹر نجم الاسلام کی رحلت کے بعد ''تحقیق'' کی ادارت کے فرائض بھی انجام دے رہے ہیں۔

۷۔ عبدالعزیز خالد کے مطبوعہ خطوط کے حوالے سے رفیق نقش صاحب نے میرے نام ایک بھرپور علمی خط لکھا۔ مندرجات کی علمی اور ادبی ثقاہت کے پیشِ نظر اسے یہاں نقل کیا جاتا ہے:

رفیق احمد نقش

این ۸۷/۱ے، نارتھ ناظم آباد، کراچی (۷۴۷۰۰)

۱۷۔ دسمبر ۲۰۰۸ء

محترم ساحر صاحب!

آداب! میں نے علامہ عبدالعزیز خالد کی تحریروں سے ہمیشہ استفادہ کیا ہے۔ آپ کی عنایت سے تحقیق شمارہ۔۱۵ میں آپ کے نام ان کے خطوط نظر نواز ہوئے۔ ان خطوط اور ان کے نہایت محنت سے مرتب کیے ہوئے حواشی سے مستفید ہوا۔ زیرِ نظر خطوط سے متعلق چند معروضات پیشِ خدمت ہیں۔ اُمید ہے کہ ان طالب علمانہ معروضات پر غور فرما کر رہنمائی فرمائیں گے۔

یہ بات عجیب سی لگی کہ خالد صاحب نے 'لغات' کو 'ڈکشنری' کے مترادف کے طور پر استعمال کرتے ہوئے اس کی جمع 'لغاتیں' (ص ۵۱۵) اور مغیرہ صورت میں 'لغاتوں' (ص ۵۱۳) لکھی ہے۔ عام طور پر 'ڈکشنری' کے مترادف کے طور پر لغت کا استعمال ہوتا ہے۔

خط نمبر ۱۱: غالب کے پہلے شعر کے پہلے مصرعے میں غالباً کمپوزنگ کی غلطی سے 'تا' کا لفظ رہ گیا ہے:

دیدہ وراں کہ تانہد دل بہ شمارِ دلبری

دوسرے شعر کے دوسرے مصرعے میں سہوِ یادداشت سے 'رگِ صحرا' اور کمپوزنگ کی غلطی سے 'بیند' چھپا ہے، اصل مصرع یوں ہے:

جادہ چوں نبضِ تپاں در تنِ صحرا بینند

(قصیدہ در مدحِ بہادر شاہ ظفر، کلیاتِ غالب فارسی، جلد دوم، مرتبہ سیّد مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی، مجلسِ ترقیِ ادب، لاہور، طبعِ اوّل: جون ۱۹۶۷ء، ص ۲۴۲)

خط نمبر ۱۶: خالد صاحب لکھتے ہیں: ''عام مستعمل ترکیب تو 'روحِ رواں' ہی ہے، مگر 'روح و رواں' بھی صحیح ہے''۔ گویا خالد صاحب کے نزدیک مرجح صورت 'روحِ رواں' ہے، یہ بات باعثِ حیرت ہے۔ آپ نے ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان کے حوالے سے اُن کے استاد اور تلمیذِ داغ مولانا احسن مارہروی کا اقتباس برمحل درج کیا ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ 'روحِ رواں' یک سر غلط ہے اور درست ترکیب 'روح و رواں' ہے۔ آپ کے علم میں ہوگا کہ فارسی میں 'رواں' کے معنی ہیں: نفس اور نفسیات کو 'رواں شناسی' کہا جاتا ہے۔

غالب نے 'روحِ رواں' کی ترکیب کہاں استعمال کی ہے؟

'قرار واقعی' کو میں بھی بلا اضافت ہی لکھتا پڑھتا رہا ہوں۔ ''رموزِ غالب'' (ص ۳۳) میں 'قرارِ واقعی' کا چھپنا میری نظر کی چُوک ہے۔

خط نمبر ۱۷: یگانہ کے مصرعے میں 'چیز' کی جگہ 'بات' ہے:

کہیے، کیا بات دھیان میں آئی

(کلیاتِ یگانہ، مرتبہ مشفق خواجہ، اکادمی بازیافت، پہلی اشاعت: ۲۰۰۳ء، ص ۵۰۲)

خط نمبر ۲۲: خالد صاحب نے کَسَر کو بروزنِ فَعَل بتایا ہے اور اِس سلسلے میں وجاہت، داغ اور عزیز کے اشعار بطورِ سند لکھے ہیں۔ داغ کے شعر میں 'تو' کی جگہ 'لو' چھپ گیا ہے۔ اصل مصرع یوں ہے:

اِتنی ہی تو بس کَسَر ہے تم میں

(مہتابِ داغ، مرتبہ کلبِ علی خاں فائق رام پوری، مجلسِ ترقیِ ادب، لاہور، اشاعتِ دوم، ۲۰۰۸ء، ص ۱۱۱)

خالد صاحب یہ بتانا بھول گئے کہ کسر بروزنِ فعل بھی ہے:

میں پیمبر نہیں، یگانہ سہی
اِس سے کیا کسر شان میں آئی

(کلیاتِ یگانہ، مرتبہٗ مشفق خواجہ، اکادمی بازیافت، کراچی، پہلی اشاعت: جنوری ۲۰۰۳ء، ص ۵۰۳)

بات دراصل یہ ہے کہ 'کسر' عربی لفظ ہے اور اس کے معنی ہیں: توڑنا، توڑ پھوڑ، شکستگی۔ اِس سے اردو والوں نے لفظ 'کَسَر' بنالیا، جس کے معنی ہیں: نقص، خرابی، کمی، کوتاہی۔ کبھی اِنھی معنوں میں 'کَسر' بھی استعمال ہوتا ہے، جیسے یگانہ کے شعر میں۔ میر نے اپنے ایک شعر میں مذکورہ مختلف معانی ملحوظ رکھتے ہوئے 'کَسر' اور 'کَسَر' دونوں تلفّظ اِس طرح باندھے ہیں:

مجھ حال شکستہ کی تاچند یہ بے وقری
کچھ کَسر میں اب میری اے شوخ کَسَر بھی ہے!

(کلیاتِ میر (جلد اوّل)، مرتبہٗ ظِلّ عباس عبّاسی، بتصحیح و اضافہ: احمد محفوظ، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، نئی دہلی، دوسرا تصحیح و اضافہ شدہ ایڈیشن، ۲۰۰۳ء، ص ۵۶۸)

تراکیب میں یہ لفظ 'کَسر' ہمیشہ بروزنِ فعل ہی آتا ہے: کَسرِ شان، کَسرِ نفسی۔ 'کَسَر' کے سلسلے میں مہذب اللّغات (جلد نہم) از مہذب لکھنوی میں یہ صراحت ملتی ہے:

کَسَر (بفتحتین) (عربی کَسر سے بفتحتین بنالیا ہے) کمی، نقص، اردو، غیرِ فصیح، رائج۔ 'مے' اور 'مئے' کا فرق ظاہر کرتے ہوئے خالد صاحب نے لکھا ہے:

اگر موصوف ہو تو مئے = م ء ے: فَعَل

اِس میں یہ اضافہ ضروری ہے کہ اگر مضاف ہو تو بھی مئے = م ء ے بروزنِ فَعَل:

معمور مئے حق سے ہے جامِ حالی

(ابتدائی کلامِ اقبال، بہ ترتیب مہ و سال مرتبہٗ ڈاکٹر گیان چند، اقبال اکادمی، لاہور، طبع اوّل: ۲۰۰۴ء، ص ۲۴۷)

خالد صاحب کا حفیظ جالندھری کے اِس شعر کو لغزشِ قلم قرار دینا باعثِ تعجب ہے:

بتوں کی شوخیِ نقشِ کفِ پا کا میں قائل تھا
مگر سجدہ نہ کرنا میرے سر کی لغزشِ پا تھی

اِس شعر میں 'سر' کو ایک فرد سے استعارہ کیا گیا ہے اور فرد لغزشِ پا کا شکار ہوسکتا ہے۔

خط نمبر ۲۶: ''رشید حسن خاں صاحب کا مؤقف میرے سامنے نہیں۔ معلوم نہیں، اُنھوں نے اِس کانٹ چھانٹ کا کیا جواز پیش کیا ہے؟''

یہاں یقیناً یا تو کمپوزنگ کی غلطی ہے، یا سہوِ قلم لفظ 'مؤقف' نہیں، 'موقِف' ہے:

نہ کبھی موقفوں سے ہٹتے ہیں (انور شعور)

قافیے کی وجہ سے 'موقِف' کو 'موقَف' بھی باندھا گیا ہے (جیسے غالب نے اپنی غزل:

دائم پڑا ہوا ترے در پر نہیں ہوں میں

میں 'کافِر' کو 'کافَر' باندھا ہے:

آخر گناہ گار ہوں، کافَر نہیں ہوں میں):

واسطے سب کے معیّن ہے محلّ و موقف
در کے نزدیک فرشتے ہیں بچھائے ہوئے صف

خالد صاحب کی منقولہ عبارت میں 'کانٹ چھانٹ' کو 'کاٹ چھانٹ' ہونا چاہیے __ ('کانٹ چھانٹ' ص ۵۴۰ کے علاوہ ص ۵۴۳ پر بھی آیا ہے۔)

خط نمبر ۲۷:

از ہیچ نقش غیرِ نکوئی ندیدہ ای
ای دیدہ، محوِ جلوۂ زیبای کیستی

اِس شعر کا مفہوم خالد صاحب نے غالباً رواروی میں لکھا ہے۔ میرے خیال میں اِس کا مطلب ہے:

اے آنکھ! تُو کس کے جلوۂ زیبا میں محو ہے، جس میں تُو نے کوئی نقش اچھائی/ خوبی/ جاذبیت کے سِوا نہیں دیکھا، یعنی اُس کا ہر نقش جاذبِ نظر ہے۔

خط نمبر ۲۹: 'صبح' کے تلفظ کی بحث میں تین تراکیب لکھی ہیں: ''صبحِ صادق، صبحِ عید، صبحِ خیز۔''

آخری ترکیب میں یقیناً کمپوزنگ کی غلطی سے اضافت در آئی ہے۔ ظاہر ہے، یہ 'صبح خیز' ہے، جس کے معنی ہیں: صبح (سویرے) اٹھنے والا۔

''خورونوش' اور 'خوردونوش' کے سلسلے میں خالد صاحب لکھتے ہیں:

فرق تو کوئی نہیں، البتہ کچھ لوگ 'خورد' پر 'خور' کو ترجیح دیتے ہیں۔

عرض ہے کہ فارسی کا ایک مصدر ہے: خوردن (کھانا)۔ مصدر کا آخری 'ن' گرا کے صیغۂ واحد غائب کا ماضی مطلق حاصل ہوتا ہے، یوں 'خورد' کا مطلب ہوا: (اُس نے) کھایا؛ جب کہ 'خور' کا مطلب ہے: تھوڑا سا کھانا، تھوڑی سی خوراک۔ 'خور' ہمیشہ مرکّبات میں استعمال ہوتا ہے: خوروپوش، خوروخواب، خوروزاد، خورونوش:

مرے معشوق وہ ہیں، جن کو برائے خوروپوش
چلّے آیا کیے، فردوس کا میوہ ٹوٹا (رشک)

سامانِ خوروخواب کہاں سے لاؤں؟
آرام کے اسباب کہاں سے لاؤں؟ (غالب)

خور و زاد سے جن کا خالی ہے داماں
مرے عزیزو، مناجات ہو چکی، اٹھو (عبدالعزیز خالد)

'خوردونوش' بے معنی ہے۔ اردو میں کچھ لوگوں نے 'خوردونوش' بھی استعمال کیا ہے۔ بات یہ ہے کہ اگر اردو میں دو صورتیں رائج ہوں اور اُن میں مفہوم کے لحاظ سے کوئی فرق نہ ہو، تو درست صورت ہی کو استعمال کرنا چاہیے۔

آپ نے خالد صاحب سے میر کے شعر کا مفہوم پوچھا ہے اور معلوم کیا ہے کہ شعر میں 'ہوجی'، 'ہوجیئے' یا 'ہوجایئے'

ہے، یا کچھ اور:

بعد طوفِ قیس ہو جی زائرِ فرہاد بھی
دشت سے اُٹھیے تو کوہوں میں مقرر جائیے

میر کے شعر میں 'ہو جی' نہیں، بل کہ 'ہو جے' ہے، جو 'ہو جیے' (یعنی 'ہو جائیے') کی مخفف صورت ہے، جیسے 'کیجیے' کی مخفف صورت 'کیجے' ہے۔ کلبِ علی خاں فائق نے 'ہو جے' کی جگہ 'ہو جی' لکھ کے غلط قرأت کی مثال قائم کی ہے۔ بات یہ ہے کہ اردو میں پہلے 'ی' اور 'ے' ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے تھے اور عبارت کے سیاق سے اندازہ لگایا جاتا تھا کہ متعلقہ جگہ معروف آواز ہے یا مجہول۔ میر کا مصرع یوں ہے:

بعدِ طوفِ قیس ہو جے زائرِ فرہاد بھی

شعر کا مفہوم یہ ہے کہ دشت میں قیس سے مل لیے، اُن کا طواف کر لیا تو اَب لازم ہے کہ پہاڑوں کی طرف چلیں ، تا کہ فرہاد کی بھی زیارت ہو سکے۔

ضمناً یہ بات بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ ''جاییے'' [جا+یے] کوئی لفظ نہیں۔ (اِن خطوط میں بالالتزام ہر جگہ ''جائیے'' کو ''جاییے'' لکھا گیا ہے۔) اصل لفظ ہے ''جائیے'' [جا+اِ+یے]۔

'خوناب' اور 'خونِ ناب' کے معنوں میں فرق ہے۔ 'خوناب' اصل میں 'آبِ خون' سے ترکیب مقلّب ہو کر 'خون آب' اور پھر ضم ہو کر 'خوناب' بنا، جس کا مطلب ہے: خون کا پانی، خوں آلود پانی۔ اِسے 'خوں ناب' لکھنا غلط ہے۔ (جیسے 'آبِ پیش' (سامنے کا پانی) سے 'پیش آب' = 'پیشاب' کا لفظ بنا ہے۔]

'خونِ ناب' کے معنی ہیں: خالص خون، جیسا کہ خالد صاحب نے لکھا ہے۔

خالد صاحب کے خطوط پر نظرِ ثانی سے چند نکات اور ذہن میں آئے، پیشِ خدمت ہیں:

خط نمبر ۶: آپ نے 'منھ' اور 'منہ' کے املا سے متعلق استفسار کیا تھا اور یہ بھی پوچھا تھا کہ 'منہ' کی ہاے ملفوظی کے نیچے لٹکن (،) لگانی چاہیے یا نہیں۔ خالد صاحب نے جواب میں لکھا ہے:

منہ کی 'ہ' کے نیچے، آج کل کون لگاتا ہے؟ نصابی کتابیں اٹھا کر دیکھیں۔
ہم نے زبان اور تلفظ کا کیا ستیاناس کر دیا ہے، اعراب کا کہیں وجود ہی نہیں۔

اِس سے زیرِ غور لفظ کے املا سے متعلق خالد صاحب کا نقطۂ نظر واضح نہیں ہوتا۔ میں اپنا نقطۂ نظر عرض کرتا ہوں۔ 'ھ' کا استعمال اردو میں ہائیہ آوازوں کے لیے مخصوص ہو گیا ہے۔ آج کل اردو میں ایسی پندرہ آوازیں رائج ہیں:

بھ پھ تھ ٹھ جھ چھ دھ ڈھ رھ ڑھ کھ گھ لھ مھ نھ

دو آوازیں اردو میں پہلے تھیں، اب متروک ہو چکی ہیں: وھ یھ

غنّہ (ں) کوئی باقاعدہ آواز نہیں، بل کہ کسی آواز کو ناک سے ادا کرنے کا نام ہے، اِس لیے غنّہ کے ساتھ 'ھ' کا استعمال نہیں ہو سکتا۔ 'نھ' میں باقاعدہ 'ن' کی آواز میں سانس کی آواز ملا کر استعمال کرتے ہیں۔ [انھیں، انھوں، جنھیں، جنھوں]۔

'مُنہہ' کے آخر میں ہائے ملفوظی ہے، جیسا کہ آپ نے لکھا ہے اور ہائے ملفوظی کسی لفظ کے آخر میں ملا کر لکھی جائے تو ہائے مختفی سے ممیز کرنے کے لیے اُس کے نیچے شکن لگانا مستحسن ہے۔ اگر کوئی نہیں لگاتا تو اس مسئلے کی علمی حیثیت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ 'منہ' کو اگر درست مانا جائے تو 'مُنہا مُنہہ' (لبالب) کو 'مُنھا منھ' [مُ + نھا + مُنھ] لکھنا پڑے گا، جو ظاہر ہے کہ غلط ہے۔

'دباؤ' اور 'دباؤ'______ اِن دونوں لفظوں میں تلفّظ کے ساتھ معنوں کا بھی فرق ہے۔ 'دباؤ' میں دو ارکانِ تہجی ہیں: دَ + باو۔

مجھ پر آج کل کام کا بہت دباو ہے

جب کہ 'دباؤ' میں تین ارکانِ تہجی ہیں: دَ + با + او۔

آؤ، ذرا میری ٹانگیں دباؤ

اِسی طرح 'بہاؤ' اور 'بہاؤ' میں بھی فرق ہے۔ بہاو [بَ + ہاو]۔

دریا کا بہاو تیز ہے

بہاؤ [بَ + ہا + او]۔ یہ پانی کیاری میں بہاؤ اور واپس آ جاؤ۔

خط نمبر ۲۸: 'گو'، 'دھو'، 'بو' کے ساتھ 'گھاؤ' اور 'چاؤ' کے قوافی، صوتی اعتبار سے تو کیا، کسی صورت جائز نہیں۔ یہ الفاظ دراصل 'گھاؤ' اور 'چاؤ' [بروزنِ فاع] ہیں، 'گھاؤ' (گھا + او) اور 'چاؤ' (چا + او) [بروزنِ فاعل] ہیں۔

درجِ بالا معروضات کے ذریعے میں اپنی غلطیوں / غلط فہمیوں سے آگاہ ہونا چاہتا ہوں۔ کیا آپ ازراہِ کرم زحمت فرما کر اِن معروضات کی تردید یا تصدیق کر دیں گے؟

جوش کا شعر ہمیشہ پیشِ نظر رہتا ہے:

میری غلطی مجھ کو جتانے والے
اللہ ہر آفت سے بچائے تجھ کو

جواب کا منتظر
رفیق احمد نقش

پس نوشت: ازراہِ لطف محترم عبدالعزیز خالد کا موجودہ پتا لکھ دیجیے۔

خط نمبر ۱۵:

۱۔ اکادمی ادبیات پاکستان نے 'پاکستانی ادب کے معمار سیریز' کے سلسلے میں ڈاکٹر جمیل جالبی اور افتخار عارف کے فن اور شخصیت پر دو کتابیں مجھ سے لکھوائیں۔ میں نے یہ کتابیں خالد صاحب کو بھجوائیں۔ انھوں نے ازرہِ بندہ پروری حسبِ معمول کلماتِ تحسین سے نوازا۔

۲۔ عزیزی شازیہ صدیق نے بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد کے شعبۂ عربی زبان و ادب سے عربی میں ایم اے کیا۔ انھوں نے ''اثر اللغۃ العربیہ والثقافۃ الاسلامیہ فی شعرِ عبد العزیز خالد'' کے عنوان سے مقالہ

لکھا۔ لوازمے کی فراہمی اور خالد صاحب کی شاعری کے بعض نکات کی تفہیم و تعبیر کے ضمن میں، ان کا مجھ سے بھی مکالمہ رہا۔ مقالے کی کام یاب تکمیل کے بعد، انھوں نے اپنے مقالے کی ایک کاپی مجھے دی۔ میں نے کہا کہ: اپنی علمی کم مائیگی اور عربی سے ناآشنائی کے سبب، میں یہ مقالہ اپنے پاس رکھنے کا استحقاق نہیں رکھتا۔ یہ میں خالد صاحب کو بھجوادوں گا۔ وہ عزیزہ اپنے اس طالب علمانہ مقالے کو خالد صاحب کی علمی جلالت اور ادبی وجاہت کے پیش نظر، انھیں بھجوانے کے حق میں نہ تھیں، لیکن میں نے یہ مقالہ ان کے ممدوح کو بھجوادیا۔ خالد صاحب نے مقالہ نگار کی عربی دانی اور اس کی برجستگی تحریر کی تحسین فرمائی، جو یقیناً ایک اعزاز ہے۔

۳۔ پروفیسر حبیب الرحمٰن عاصم، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد میں عربی زبان و ادب کے استاد اور نہایت عالم و فاضل شخصیت۔